Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

JOURNAL PROFILE

Noor-e-Tahqeeq is a quarterly, HEC "Y" Category research journal of Lahore Garrison University, publishing peer-reviewed studies in Urdu language and literature since 2017. It provides a credible platform for original research and contemporary criticism.

CONTACT
Dr Muhammad Haroon Qadir
Editor, Noor e Tahqeeq
Department of Urdu
Lahore Garrison University, Lahore 0303-3330345

Email
lgunt@lgu.edu.pk

Website
https://ojs.lgu.edu.pk/nooretahqeeq

ISSUE DETAILS
Volume 9, No 04
Oct to Dec 2025
Page No: - 28-45

DOI
https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2025.090414

HISTORY OF THE PAPER
Received on: Oct 10, 2025
Accepted on: Oct 30, 2025
Published on: Dec 30, 2025

PUBLISHED BY
Department of Urdu,
Lahore Garrison University
DHA Phase 6, Sector C,
Avenue 4, Lahore

TITLE OF THE PAPER

Social Inequality and Class Suffering in Siddiq Salik's Novel Pressure Cooker: A Critical Study

صدیق سالک کے ناول "پریشر ککر" میں معاشرتی ناہمواری اور طبقاتی کرب: ایک تنقیدی مطالعہ

AUTHOR

Maria Saleem
MPhil Urdu Scholar
Riphah International University Faisalabad campus

ABSTRUCT

This study presents a critical analysis of Siddiq Salik's novel Pressure Cooker with a particular focus on social inequality and class-based suffering in Pakistani society. The novel foregrounds the lived experiences of marginalized individuals who are subjected to continuous economic deprivation, social injustice, and psychological pressure. Through the central character Fiṭrat, Salik explores the silent accumulation of pain, frustration, and emotional repression caused by rigid class structures and moral decay. The metaphor of the "pressure cooker" symbolically represents the human psyche under relentless societal pressure, where suppressed emotions ultimately lead to psychological breakdown. The novel skillfully combines realism, irony, satire, and autobiographical elements to expose the harsh realities of poverty, exploitation, hypocrisy, and institutional injustice. This research examines the novel's thematic depth, narrative technique, characterization, dialogue, and symbolic framework to demonstrate how Salik critiques class hierarchy and social imbalance. The study concludes that Pressure Cooker is a significant contribution to modern Urdu fiction, offering a powerful literary representation of class struggle and the human cost of social inequality.

KEY WORDS

Social Inequality, Class Suffering, Psychological Pressure, Pakistani Society, Realism, Symbolism

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

صدیق سالک کے ناول "پریشر ککر" میں معاشرتی ناہمواری اور طبقاتی کرب: ایک تنقیدی مطالعہ

صدیق سالک شہید نے ادب و فن میں گراں قدر خدمات سر انجام دی ہیں۔ آپ عسکری قیادت کا حصّہ ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے ادیب اور لکھاری بھی ہیں۔ آپ نے سوانحی ادب ناول، افسانہ، آپ بیتی کے ذریعے جدید اُردو نثر میں اپنا مقام و مرتبہ بنایا ہے۔ آپ کی تصنیفات میں "ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا"، "پریشر ککر" اور "ہمہ یاراں دوزخ" جیسے شاہ کار شامل ہیں۔ ان کی آپ بیتی "سلیوٹ" ادب کا ایک منفرد شاہ کار ہے۔ "تادمِ تحریر" اور "ایمر جنسی" بھی ان کی کتابوں میں شامل ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کی کامیابیوں سے یہ ثابت کیا کہ وسائل کے بغیر بھی زندگی میں آگے بڑھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے اپنی کامیابی کے راستے خود بنائے اور ادب و تاریخ میں اپنی تحریروں کے ذریعے قیمتی اثاثے شامل کیے۔ بنیادی طور پر وہ ایک مزاح نگار تھے، لیکن سانحہ مشرقی پاکستان پر ان کے قلم نے کرب و بلا کی وہ داستان لکھی جو امر ہو گئی۔

پریشر ککر صدیق سالک کا پہلا ناول ہے اس میں زندگی کی واقعیت اور فن کی حسن کاری کی اعلیٰ مثال ملتی ہے۔ یہ ناول ملکی مسائل' حقیقی زندگی اور انسانی نفسیات کی عکاسی کرتا ہے۔ صدیق سالک کا ناول پریشر ککر ایک جدوجہد کرتے ہوئے انسان کی زندگی کی عکاسی کرتا ہے جس میں فطرت نامی کردار معاشرے میں جینے کے لیے اپنے اندر لاتعداد دکھ، درد اور غموں کے پہاڑ سمو کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ساری زندگی غربت اور افلاس کی چکی میں پستا ہے۔ وہ آرٹسٹ بن کر ایک فن پارہ بنانا چاہتا تھا جس میں وہ زمانے کے تمام دکھ، غم، اندوہ، تکلیفیں، ظلم، ناانصافی، بے ایمانی، جبر اور انتقام جیسے تمام جذبوں کی تصویر بنا کر معاشرے کو دکھانا چاہتا تھا۔ وہ ان کے ساتھ ہمدردی کرنا چاہتا تھا، ظالم معاشرے کو احساس دلانا چاہتا تھا کہ یہ سلوک سراسر غلط ہے۔ لیکن زندگی میں ہر مقام پر صبر کر جانا، ہر غم پی جانا، ہر دکھ سہ جانا بظاہر تو کسی فرد کی ظاہری شخصیت سے دکھائی نہیں دیتا، لیکن وہ کسی بے بس انسان کے اندر ہی اندر ایک سلگتا ہوا انگارہ بن جاتا ہے، ایک ایسا لاوا پکنے لگتا ہے جو ایک دن پھٹ جاتا ہے اور وہ انسان تباہ ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے مصنف نے لکھا ہے کہ آٹا پیسنے والی چکی بھی بھک بھک کر آوازیں نکال سکتی ہے، اینٹوں کے بھٹے کی چمنی بھی اپنا غبار دھوئیں کی شکل میں پھینکتی ہے، لیکن انسان نہ آٹا پیسنے والی چکی کی طرح بھک بھک کر سکتا ہے اور نہ بھٹے کی چمنی کی طرح دھواں باہر پھینک سکتا ہے۔ بس ہر شے اندر ہی اندر، ہر غم اندر، ہر اندوہ سہتے رہو، سلگتے رہو، مگر بولو مت، کہو مت۔

مصنف نے انہی احساسات کی عکاسی پریشر ککر سے کی ہے۔ جس طرح پریشر ککر میں پریشر بڑھتا جاتا ہے اور وہ ایک دن پھٹ جاتا ہے، اسی طرح انسان کے اندر بھی دکھوں اور غموں کی انتہا جب بڑھتی ہے تو وہ انسان کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیتی ہے۔ اس لیے اپنے اندر کا لاوا یا غبار ساتھ ساتھ ہلکا کرنا ضروری ہے۔ دکھوں کا مداوا لازم ہے، نہیں تو انسان خودکشی کا سوچنے لگتا ہے۔ خودکشی سے بچ بھی جائے تو ایک نہ

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

ایک دن اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے، نیم پاگل ہو جاتا ہے۔ مجموعی جائزہ لیا جائے تو اس ناول میں غربت، بیوہ کی زندگی، ایک یتیم اور غریب کے لیے تعلیم حاصل کرنا، معاشرے کی بے بسی کی تصویر کشی، ظلم کا مقابلہ نہ کر پانا، انصاف حاصل نہ کر سکنا، دھوکہ دہی کا بدلہ نہ لے سکنا، معاف کرنے کا جذبہ، بے جا اُمیدوں پر پورا نہ اترنا، لالچ کا سامنا کرنا، خود غرضی سے نقصان اٹھانا، در در کی ٹھوکریں کھانا، مطلب پرستی کی انتہا ہونا، الزام تراشی، طعنے سننا، بے عزتی کا دکھ، امیری غریبی کا تقابل، بے بسی کی انتہا، درد کی انتہا، دکھوں اور تکلیفوں کا بوجھ اٹھائے جینا ان تمام موضوعات کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ان تمام ملکی مسائل کے حوالے سے صدیق سالک خود اپنے ناول ایمر جنسی کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

> "پریشر ککر کی مقبولیت نے میرے اس تاثر کو تقویت بخشی کہ پاکستان کا باشعور قاری رومانی داستانوں کے علاوہ ملکی مسائل کے بارے میں پڑھنا اور سوچنا چاہتا ہے۔"(1)

ناول میں منفرد موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے جس میں حقیقی زندگی کے تجربات و مشاہدات کو بیان کیا گیا ہے۔ کامیاب ناول وہی ہوتا ہے جس کی کہانی ترتیب سے واقعات بیان کرے۔ اس ناول کے پلاٹ کا جائزہ لیا جائے تو کہانی کے واقعات ترتیب سے بیان کیے گئے ہیں۔ پلاٹ کے تینوں حصے آغاز، وسط، انجام کو بہت خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس میں کہانی کا آغاز ہی تجسس سے بھرپور بنا دیا گیا ہے، جس میں ہیرو کی گمشدگی سے شروع کر کے فلیش بیک کے انداز میں بیان کیا گیا اور پھر شروع کے حصے کو اختتام سے جوڑ کر کہانی کو ختم کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر شاہین مفتی لکھتے ہیں:

> "اس نے نہ تو کہیں علمیت بکھاری ہے اور نہ ہی کوئی پند نامہ کھولا ہے ناول بڑی سادہ اور رواں زبان میں تحریر کیا گیا ہے اس لیے قاری پر مصنف کے متوازن 'مضبوط اور صحت مند رویوں کے ہمراہ چلتے چلتے یہ اسرار کھلنے لگتے ہیں۔"(2)

کہانی میں تمام واقعات ایک مکمل تسلسل اور فطری طور پر رونما ہوتے ہیں۔ کہانی کے واقعات میں مکمل ربط پایا جاتا ہے۔ کہانی اس ترتیب کے ساتھ آگے بڑھتی ہے کہ ہر جگہ منظم اور منطقی ترتیب ملتی ہے۔ کہیں بھی کوئی خلا یا جھول محسوس نہیں ہوتا۔ کہانی کے شروع میں جو تجسس ہے وہ آخر تک قائم رہتا ہے، جو قاری کے لیے دل چسپی کا باعث بنتا ہے۔ واقعات اس ترتیب سے مکمل اور جڑے ہوئے ہیں کہ کسی بھی واقعے کو ہٹایا جائے تو کہانی میں خلا آ جاتا ہے۔ اس ناول کے پلاٹ کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو شروع میں تو پلاٹ اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ قائم رہتا ہے، لیکن اختتام کی جانب بڑھتے ہوئے قاری ایک ہی واقعے کو بار بار دہراتا ہے۔ جس کی مثال مرکزی کردار فطرت کے ذہنی خیالات اور تصویروں کو نہ بنا پانا ہے۔ کہانی کے شروع سے لے کر آخر تک ہیرو اپنی تصویریں نہیں بنا پاتا، جس کے نہ بنانے کا کوئی خاص یا ٹھوس جواز نہیں ملتا۔ آخر میں وہ جو تصویریں بناتا ہے وہ ان کے خیالات کی مکمل عکاسی نہیں کرتیں، جن کا وہ متعدد بار اظہار کر چکا ہوتا ہے۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

وہ جن دکھ، درد، اندوہ، تکلیفوں اور غموں کی عکاسی کا اظہار کرتا ہے، وہ موضوعات اس کی تصویروں میں اس شدت سے دکھائی نہیں دیتے۔ جب کہ اس کی زندگی کے دکھ تو بیوہ ماں، یتیم بچوں کی زندگی، اغوا شدہ بہن، غریبی کی زندگی، غاصب چچا، لالچی گاؤں والے اور خود غرض معاشرہ تھے، جو وہ بنانے میں کامیاب نہیں ہوا۔ یہاں کہانی تھوڑی سی متاثر ہوتی ہے۔

ناول کے اسلوب کا جائزہ لیا جائے تو اس میں سادہ اور رواں زبان استعمال کی گئی ہے اور جذبات واحساسات کی اس طرح سے عکاسی کی گئی ہے کہ وہ قاری پر گہرا اثر چھوڑتی ہے۔ بعض جگہ ایسی زبان استعمال کی گئی ہے کہ وہ پڑھنے والے کی سوچ کو متاثر کیے بنا نہیں رہتی۔ مصنف نے اپنے ناول میں ہر بات اور واقعے کو اتنا واضح اور سچائی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ کہیں بھی قاری ابہام کا شکار نہیں ہوتا۔ تحریروں میں نہ تو جا بجا فلسفے کی بھرمار ملتی ہے اور نہ ہی کہیں وعظ کا احساس ہوتا ہے۔ تلخ حقیقت کو اتنے سادہ اور عام فہم جملوں میں بیان کر دیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ جذبات کی کتنی گہرائی میں جا چکا ہے۔ جیسے وہ گاؤں جسے ادیب اور شاعر جنت نظیر لکھتے ہیں، ریشماں اور اس کے بچوں کے لیے دوزخ بن گیا۔ ایک تحریر میں ریشماں کی پوری زندگی کی تکالیف اور مصائب کی عکاسی ملتی ہے۔ جہاں سادگی گہرائی بیان کرتی ہے وہیں سادگی اور روانی تحریر کی دل کشی میں بھی اضافہ کرتی ہے۔ موقع کی مناسبت سے الفاظ کا چناؤ قاری کو فرحت بخش احساس دلاتا ہے:

”ریشمی سی سستی کی آغوش میں لوریاں سناتا رہتا۔“(3)

اسلوب میں مصنف کے گہرے احساسات ہی ہیں جو قاری کو تحریر سے جوڑے رکھتے ہیں اور جن سے جذبات کی عکاسی ملتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ناول عام قارئین کے لیے لکھا گیا ہے، جس میں مقصد کو ترجیح دینے کے ساتھ ساتھ پیغام کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ الفاظ کا انتخاب اس طرح کیا گیا ہے کہ واقعات کو بہترین تقابل کی شکل دے کر ضمیر کو جھنجھوڑ دینے والے الفاظ دیر تک قاری کے حواس پر سوار رہتے ہیں۔ بعض تحریروں میں الفاظ موتیوں کی طرح پروئے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ یہ جامع اور مکمل اسلوب کی ہی نشانی ہے کہ جو پڑھنے والے کو مکمل طور پر اپنی طرف متوجہ کرنے کا باعث بنتی ہے۔ بہترین جملوں کی ساخت ہی اسے مکمل اور جامع بناتی ہے۔ زبان و بیان کی شگفتگی اسلوب کی خوب صورتی کا باعث بنتی ہے۔ جس قدر زبان شستہ اور سادہ ہو گی اسی قدر اسلوب جاذب نظر اور کشش کا باعث بنے گا۔ سادہ اور رواں زبان کے ساتھ ساتھ ہمیں کہیں کہیں چاشنی، شگفتگی، تنوعِ الفاظ اور رنگا رنگی بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ جہاں زبان میں شگفتہ الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے، جو پڑھنے والے پر ایک خوش گوار تاثر چھوڑتا ہے، وہیں پر بہت سے زبانِ عوامی محاورے بھی اسلوب کا حصہ ہیں جو معاشرے میں محاورۃً استعمال کیے جاتے ہیں۔:

آوازِ سگاں سے رزقِ گدا۔(4)

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

سمندر میں رہنا اور مگر مچھ سے بیر۔(5)

ان محاوروں کے علاوہ بہت سے اردو اور پنجابی کے الفاظ کا مکسچر بھی ملتا ہے، جو تحریر کو جامع، موضوع کو مکمل اور اسلوب کو خوب صورت بناتا ہے۔ ان کے ذریعے مصنف کا عام بول چال کا لب و لہجہ ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے الفاظ کی بھر مار ملتی ہے۔ تشبیہ، استعارہ اور تلمیحات بھی کسی اسلوب میں خوب صورتی کا باعث ہوتی ہیں۔ یہ اسلوب کی تحریر میں موتیوں کی طرح جڑی ہوتی ہیں، جو نہ صرف مطلب کو واضح کرنے میں مدد دیتی ہیں بلکہ تحریر کا اثر قاری کے ذہن پر مزید تفصیل کے ساتھ ثبت کر دیتی ہیں۔ صدیق سالک نے اپنے ناول پریشر ککر کی تحریروں میں خوب صورت تشبیہات کو بڑے سلیقے سے بیان کیا ہے۔ جیسے وہ چائے کے رنگ کو کسی خوب صورت حسینہ کے میک اپ کی طرح فرحت بخش قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار جگہوں پر ایسی تشبیہات ملتی ہیں:

"تتلی کی طرح سارے گھر میں پھدکتی، مترنم سی دستک، ریشمی سی سستی، ہمدردی کے آنسو، خون رس رہا، تفکرات کے سمندر میں ڈوبتی۔"(6)

اسی طرح کہیں پر مسکراہٹ کو بطخ کے پروں پر بارش کے قطروں کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ استعارے کی بھی مثالیں ملتی ہیں: "خیالات کو ذہن پر ہتھوڑے برستے ہیں" کہا گیا ہے۔ اسی طرح عشق کے لیے "آنچ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ قیمتی اشیاء کے لیے "گنجے ہائے گر نما" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اپنے احساسات سے عاری انسانوں کو "پلاسٹک اور ٹین کے انسان" کہا گیا ہے۔ "ٹین کے خالی کھمبوں کو صرف اس لیے سلام نہیں کر سکتا۔" "سر دار لٹکے رہو" جیسے الفاظ سے ہمیں دارا کے سر دار کی تلمیح بھی ملتی ہے جس کا تاج تاریخ میں مذکور ہے۔ چند جگہوں پر اسلوب تھوڑا بھاری محسوس ہوتا ہے، جہاں بے شمار مغربی نقادوں، ان کی کتابوں اور مصوروں کے شاہ کار کی تفصیلات کا ذکر ہوتا ہے، جو قاری کے لیے عدم دل چسپی کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ غالب اور اقبال کے اشعار بھی شامل کیے گئے ہیں۔ ایک جگہ پر مہدی حسن کے گیت کا بھی ذکر ملتا ہے۔

اسلوب کا اگر مجموعی جائزہ لیا جائے تو اسے ایک سادہ اور رواں اسلوب کہا جا سکتا ہے، جو اپنے اندر دل کشی کے عناصر لیے ہوئے ہے اور یہ سادگی کے باوجود کشش رکھتا ہے اور قاری کو متوجہ کر کے اس کے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ اسلوب میں ہمیں جگہ جگہ تنوع نگاری بھی ملتی ہے۔ ایک ہی بات کو بے شمار الفاظ کے تنوع سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ صرف سالک کے اسلوب کی خاص بات ہے کہ وہ جگہ جگہ ہر بات کی اہمیت کو بڑھانے کے لیے ایک سے زیادہ الفاظ کا استعمال کرتے ہیں:

"ایک سی خبریں، ایک سی سرخیاں، ایک سی تصویریں"(7)

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

بظاہر ایک لفظ کے استعمال سے ہی بات کا مطلب واضح ہو جاتا ہے، لیکن مصنف نے اپنی بات میں زور لانے کے لیے اور تحریر کو جامع بنانے کے لیے لفظوں کی تکرار اور تنوعات کی بھرمار کی ہے، جو صرف ان کے اسلوب کا وصف ہے۔ کسی بھی ناول میں بہترین کردار وہی ہوتے ہیں جو حقیقی زندگی کے قریب ہوں اور معاشرے کے جیتے جاگتے کردار ہوں۔ اگر صدیق سالک کے ناول پریشر ککر کے کرداروں کا جائزہ لیا جائے تو مصنف نے ناول کے کرداروں کے حلیے سے لے کر ان کی سوچ، بیان، خیال و احساسات ہر چیز کی ترجمانی کی ہے۔ ناول کے کرداروں میں معاشرے کے اردگرد کے تمام افراد کے چہروں کو بآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ تمام کردار حقیقی اور معاشرتی ہیں۔ یہ جیتے جاگتے معاشرے کے چلتے پھرتے کردار ہیں جو سوچتے بھی ہیں اور احساسات بھی رکھتے ہیں۔ حسد، طنز، حسرت، خواہش، غم، خوشی، مسرت ہر طرح کے جذبے سے سرشار نظر آتے ہیں۔ جو اپنی غلطی پر نادم بھی ہوتے ہیں اور غرور و تکبر میں خدا بھی بن جاتے ہیں۔ جو کہیں خود غرض بھی ہیں اور کہیں ظالم بھی۔ ہر کردار اپنے خطے اور علاقے کی ترجمانی کرتا ہے۔ پریشر ککر میں بے شمار کردار ہیں۔ چند ایک مرکزی کردار ہیں اور باقی ثانوی کردار ہیں۔ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ اس ناول میں کرداروں کی بھرمار ہے۔ بے شمار کرداروں کا صرف نام لے کر ذکر کیا گیا ہے۔ اس ناول کا مرکزی کردار فطرت ہے، جو کہ ناول کا ہیرو بھی ہے۔ ناول کی مکمل کہانی اسی کردار کی زندگی کے گرد گھومتی ہے۔ اس کردار کی ظاہری شکل و صورت اور حلیے کی یوں ترجمانی ملتی ہے:

> ”بھوری مونچھوں اور بڑی آنکھوں کے درمیان اس کی ستواں ناک اور سرخ و سپید گال اپنی جگہ بڑے جاذب لگتے ہیں۔ سر کے لمبے بال جو پیشانی پر لہراتے رہتے ہیں۔“(8)

یہ ایک آرٹسٹ کا کردار ہے جو اپنے آرٹ کے ذریعے معاشرے کی ناانصافیوں، ظلم اور زیادتیوں کو بیان کرنا چاہتا ہے۔ اس کردار کی پوری زندگی غربت سے لڑتے اور اپنے مقصد کی جدوجہد میں گزرتی ہے۔ یہ ایک غیرت مند اور سچ کا ساتھ دینے والا کردار دکھایا گیا ہے۔ جیسا کہ وہ کہتا ہے:

> ”میری عزت نفس کے لیے گالی کے دو لفظ آپ کے کروڑوں روپے سے بھاری ہیں۔“(9)

جہاں وہ عزت نفس کی خاطر روزی، نوکری کو لات مار کر در در کی ٹھوکریں کھانے لگتا ہے، وہیں اس کی زندگی میں کہیں بھی توازن نظر نہیں آتا۔ اس کی ساری زندگی صرف ایک ہی مقصد کے گرد گھومتی ہے:

> ”میں پڑھا لکھا آرٹسٹ ہوں، غریبوں اور ستم زدہ لوگوں کے غموں، اندوہ اور محرومیوں کی عکاسی کروں۔“(10)

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

یہ کردار اپنی مصوری کے ذریعے معاشرے کی تلخ حقیقتوں کی عکاسی کرنا چاہتا ہے لیکن معاشرے کی بے اعتدالی اور ناانصافیوں کی بنا پر ناکام ہو کر نیم پاگل ہو جاتا ہے۔ یہ کردار جہاں معاشرے کے فن کاروں کی زندگیوں کی مشکلات کی عکاسی کرتا ہے، وہیں غربت میں پسے افراد کی بھی ترجمانی کرتا ہے۔ بقول ڈاکٹر صائمہ علی:

"فطرت کا بنیادی مسئلہ وہی ہے جو ہمیشہ سے ایمان دار 'حق گو اور تخلیقی افراد کا مسئلہ رہا ہے' یعنی وہ خس کی مانند دریا کے ساتھ بہنے کی بجائے بہاؤ کے مخالف چلتے ہیں۔"(11)

اس کردار کی ابتدائی زندگی کی کہانی بذاتِ خود صدیق سالک کی کہانی معلوم ہوتی ہے، جہاں گاؤں، غربت، یتیمی اور مشکل سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا، افسر بن کر گاؤں لوٹنا یہ سب سالک کی حقیقی زندگی کی عکاسی ہے۔ مختلف جگہ پر نوکریاں کرنا وغیرہ۔ جہاں سے فطرت بطور آرٹسٹ دکھایا گیا ہے، یہ کہانی بہت حد تک مشہور آرٹسٹ غلام رسول کے کردار سے مماثل رکھتی ہے، جن میں لائل پور سے امریکہ جانا، ادارہ ثقافت پاکستان میں کام کرنا، ڈی جی اور دوسرے کرداروں سے نہ بن پانا اور اس کے علاوہ چند پروفیسروں کے کردار، ڈاکٹر برڈ اور دیگر فارنز کا دورہ وغیرہ یہ سب حقیقی ہیں۔ ان دو حقیقی کرداروں سے فطرت کے کردار کی مماثلت، فطرت کے کردار کو مزید حقیقی بنا دیتی ہے، جن میں ان دونوں کا امتزاج ملتا ہے۔ اس کردار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مصنف ایک حقیقی کردار اور سچے واقعات کو اٹھا کر ناول لکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ناول کے ضمنی یا ثانوی کرداروں کا جائزہ لیا جائے تو ریشماں یعنی فطرت کی ماں کا کردار بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس کردار کے ذریعے ایک بیوہ ماں کی ہمت اور یتیم بچوں کو لے کر ان کی زندگی سنوارنے تک کی جدوجہد دکھائی گئی ہے کہ وہ کس طرح بیوگی کے ساتھ ساتھ دو یتیم بچوں اور غربت کا سامنا کرتی ہے۔ ریشماں کے کردار کی ظاہری شکل و صورت کی مکمل ترجمانی کے ساتھ ساتھ اس کی ہمت کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

"ریشماں کا کردار اگرچہ اس قدر ٹھنگنا تھا مگر اس کا جسم گھٹا ہوا تھا۔ لوگ اسے کام کرتے دیکھ کر اکثر کہتے تھے کہ یہ پتھر کی بنی ہوئی ہے، پتھر کی ریشماں۔"(12)

بظاہر گاؤں کی ایک سادہ اور ان پڑھ عورت، جو شوہر کی وفات کے بعد تن تنہا بچوں کی کفالت کرتی ہے۔ اس کا اور کوئی سہارا نہیں ہے۔ وہ اکیلے غم سہتی اور گاؤں والوں سے دھوکہ کھا کر سب کچھ گنوا بیٹھتی ہے۔ اس کی زندگی میں دکھ ہی دکھ تھے: پہلے شوہر کی وفات کا دکھ، پھر شوہر کے بھائی کا سب زمین پر قبضہ کر لینے کا دکھ، میکے کے رشتہ دار کا سب پیسہ زیور ہتھیانے کا دکھ، غربت اور بھوک کا دکھ، بیٹی ذکیہ کے اغوا کا دکھ۔ لیکن وہ پھر بھی کامیابی کے جذبے کو دل میں بسا کر شہر جاتی اور اپنے بیٹے کو تعلیم دلوا کر کامیاب بنانے کی کوشش کر کے دوبارہ گاؤں لوٹ آتی ہے۔ میاں چودھری کرم دین، جو کہ فطرت کے باپ کا کردار ہے، بجلی کے محکمے میں لائن مین تھا۔ یہ ناول کا ایک باہمت اور

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

بہادر کردار تھا جو ایک لڑکی کی عزت بچانے کی خاطر جان کی بازی ہار جاتا ہے۔ یہ بظاہر ایک گاؤں کا سیدھا سادہ کردار تھا جو بیٹے کی پیدائش پر خوش ہوتا ہے اور اسے اعلیٰ تعلیم دلانے کی خواہش رکھتا ہے۔

ثانوی کرداروں میں کرم دین کے بھائی چودھری شرف دین عرف شرفو کا کردار ہے جو لالچ میں آ کر یتیم بھتیجے اور بیوہ بھابھی کی زمین پر قبضہ کرلیتا ہے۔ اس کے علاوہ بھائی کی بیوہ پر بُری نظر بھی رکھتا ہے۔ شرف دین، گاؤں کا مولوی اور شہر کا ملازم بوٹا خان جب ریشماں پر غلط نظر ڈالتے ہیں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے کسی بھی کردار کی خصلت پر شہری یا دیہاتی کا لیبل نہیں لگایا بلکہ تمام کرداروں نے ایک بیوہ اور لاوارث کو دیکھ کر یکساں سوچ اپنائی۔ چاہے وہ شہر میں ہو یا گاؤں میں، ہر کوئی لالچی، خود غرض اور مطلب پرست ہے۔ اس حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

"چودھری شرف دین عرف شرفو اور مولوی نیک عالم گاؤں میں ہی نہیں شہروں میں بھی ہوتے ہیں۔"(13)

جہاں لالچ سے بھرے کردار ہیں، وہیں شیخ رفیق احمد جیسے نیک دل، رحم کرنے والے اور شفیق کردار بھی ہیں، جو نہ صرف بیوہ اور یتیموں کو اپنے گھر کام دیتے ہیں بلکہ رہنے کی جگہ کے ساتھ ساتھ عزت اور تحفظ بھی فراہم کرتے ہیں۔ فطرت کو تعلیم دلواتے ہیں اور اس کی بہن ذکیہ کو اغوا کے بعد ڈھونڈنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ پروفیسر سعید جیسے کردار کو بھی بہت رحم دل اور ہمدرد دکھایا گیا ہے، جو فطرت کی کامیابی کے لیے ہر ممکن حد تک کوشش کرتا ہے۔ فطرت کے تمام استاد چاہے سکول کے ہوں، کالج کے یا امریکہ میں ڈاکٹر برڈ سب شفقت کی تصویر ہیں۔ یونیورسٹی کی پروفیسر مسز نادرہ کا کردار خود غرض اور مطلب پرست دکھایا گیا ہے، جو اپنے مفاد کی خاطر ایک حق دار کو ہمیشہ اس کے حق سے محروم کر دیتی ہے۔ مس نزہت کا کردار بھی منفرد نوعیت کا ہے، جو پسند کی شادی کر کے خاندان سے بغاوت کرتی ہے اور پھر اپنے ہی خول میں قید ہو کر زندگی گزارتی ہے۔ پاشا صاحب کا کردار ہے، جو ایڈورٹائزنگ کمپنی کے مالک ہیں اور ایسے کرداروں کی ترجمانی کرتے ہیں جو معاشرے کے خود غرض ترین اور لالچی کردار ہیں۔ ان کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

"اوپر سے امیر اور مہذب، اندر سے بھوکا اور خود غرض۔ کیا منافقت ہے!"(14)

ادارہ ثقافت پاکستان کے ڈی.جی کا کردار بھی کچھ ایسا ہی ہے جو حسد، کینہ اور بغض سے بھرے ہوئے افسر کا ہے، جو اپنے سے نیچے کسی بھی فرد کو کامیاب ہوتا نہیں دیکھ سکتا اور اس کی ناکامی و بربادی کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔ اس کی کامیابی سے

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

مصنف نے یہ واضح کیا ہے کہ معاشرے میں منافقت سے بھرے کرداروں کی اجارہ داری ہے جو شریف النفس لوگوں سے ان کے جینے کا حق بھی چھین لیتے ہیں۔ معاشرے کی اس عکاسی کے حوالے سے رؤف پاریکھ لکھتے ہیں:

'Pressure Cooker (1986) and Emergency are his urdu novels that satirise the moral decay of Pakistani society,state and politics.'(15)

یعنی اس ناول میں صدیق سالک نے معاشرے کا حقیقی چہرہ دکھایا ہے جس سے تمام منافقتوں سے پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ ناول پریشر ککر کے مکالموں کا جائزہ لیا جائے تو تمام مکالمے ہر کردار کی حیثیت اور مقام کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مصنف نے ہر کردار سے وہی کچھ کہلوایا ہے جیسی اس کی شخصیت اور سوچ ہے۔ گاؤں کے افراد سیدھی سادی گفتگو کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کم تعلیم یافتہ اپنی عقل اور سوچ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں، پڑھے لکھے عالم فاضل اسی پایہ کی گفتگو کرتے ملتے ہیں۔ کہیں کہیں مصنف نے اپنے نظریات کی عکاسی کی ہے لیکن وہ اس طرح سے کی ہے کہ کہیں بھی وعظ کا گمان نہیں ہوتا۔ ان پڑھ ریشماں کے مکالمے سے اس کی سادگی اور مصنف کی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے:

"نہیں، ابھی کرایا وغیرہ سب ان کے ذمے ہے جو مجھے بھیج رہے ہیں۔ اللہ انہیں بھاگ لگائے،
بڑے اچھے مسلمان ہوں گے۔ واہ امی، تمہارا خیال ہے ہر اچھا شخص مسلمان ہی ہوتا ہے؟"(16)

ان مکالموں میں مصنف نے ریشماں کی سادگی کے ساتھ ساتھ اچھائی کو صرف مسلمانوں کے تعلق کے حوالے سے ایک گہرا طنز بھی دکھایا، جو صرف مصنف کی تحریر کا کمال ہے۔ یہ مکالمہ کردار کے مرتبے، اس کی ذہنیت اور نفسیات کی عکاسی کرتا ہے۔ اگر کسی گاؤں کے سیدھے سادھے شخص کا مکالمہ ہو تو وہ سوالات بھی اتنے ہی تجسس اور معصومانہ کرتا ہے۔ اس کے مکالمے اس کی شخصیت، رہن سہن اور علاقے کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔ گاؤں کی ساری گفتگو حقیقت کے قریب تر محسوس ہوتی ہے۔ وہاں کے لوگوں کے خواب، انداز اور جذبات سب ان کی مکمل عکاسی کرتے ہیں۔ جب کہ شہری کرداروں کے مکالموں کا جائزہ لیا جائے تو ہر شعبے اور ہر طبقے کے فرد کے مکالمے اس کی ذہنیت اور سوچ کے مطابق لکھے گئے ہیں۔ جیسا کہ ارشد کی بہن فرح اور نسرین جیسی امیر لڑکیوں کے مکالموں میں امیرانہ پن کا غرور اور غریبی کو دھتکارنے کا انداز صاف ان کے کرداروں کو واضح کرتا ہے۔ پیشہ ورانہ افراد کے مکالمے ان کی مکمل عکاسی کرتے ہیں، جب کہ کالج و یونیورسٹی میں عالمانہ رنگ کے مکالمے بیان کیے گئے ہیں، جو عام قاری کے لیے غیر دل چسپی کا باعث بنتے ہیں۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

لیکن یہاں مصنف کی خوبی اور جہاں دیدی قابل تعریف بنتی ہے کہ مصنف نے کہیں بھی بھاری بھر کم جملے اور لمبے لمبے واعظ بیان نہیں کیے بلکہ جہاں بھی کوئی گہری بات کرنی ہوتی تو پہلے وہ پورا منظر تخلیق کرتے، ہمیں کسی کالج یا یونیورسٹی کے لیکچر روم میں لے جا کر پورا ماحول بتاتے، طلباء سے اس کے بارے میں سوال کرواتے اور جب قاری جواب کے لیے متجسس ہو جاتا تو ایک لمبا لیکچر دیتے، جو کہیں بھی بوریت کا احساس نہیں ہونے دیتا۔ مجموعی طور پر مکالمہ نگاری کے حوالے سے ناول کے مکالموں کو بہترین قرار دیا جا سکتا ہے۔ منظر نگاری سے مراد کسی بھی ناول میں واقعہ کے مناظر کو اس خوب صورتی اور تفصیل سے بیان کرنا ہے کہ تمام مناظر آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ صدیق سالک نے اپنے ناول میں نہ صرف فطرت کے مناظر بیان کیے ہیں بلکہ معاشرتی ماحول اور سماجی زندگی کی تقریبات کو بھی فنکارانہ طریقے سے پیش کیا ہے۔

صدیق سالک ناول میں اگر کسی کے کمرے یا گھر میں داخل ہوتے ہیں تو پہلے سارا منظر مکمل جزئیات کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔ کمرے اور عمارت کی خستہ یا عمدہ حالت سے لے کر اس میں نظر آنے والی ہر چیز کی ترتیب یا بے ترتیبی کو یوں بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ حقیقت میں اس جگہ پر پہنچ گیا ہے اور اس کی نظروں میں تصویر کی طرح پورا نقشہ کھینچ جاتا ہے۔ جیسے وہ کمرے کی حالت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ”دو چھوٹے چھوٹے میز تھے، جن میں ایک پر امریکی ساخت کا ٹیبل لیمپ رکھا تھا، دوسرے پر جاپانی گلدان تھا جس میں اہتمامِ خاص کے ساتھ آج تازہ پھول سجائے گئے تھے۔ پلنگ کے سامنے قالین بچھا تھا جس کے وسط میں سنٹرل ٹیبل اور کناروں پر بغیر بازو والا چھوٹا سا صوفہ رکھا تھا۔ سامنے دروازے پر ریشمی اور مخملی دوہرے پردے لہرا رہے تھے۔“(17)

صدیق سالک کے ہاں جس قدر مکانات، شہر، بازاروں اور عمارتوں کی خوب صورت تصویر کشی ملتی ہے، وہیں تقریبات اور تہواروں کو بھی مکمل روداد کی طرح تفصیلات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جو ہمیں محسوس کراتی ہے کہ ہم بھی وہاں شامل ہیں۔ اگر وہ کسی گلی یا بازار میں داخل ہوتے ہیں تو اس کا مکمل نقشہ کھینچ کر سامنے رکھ دیتے ہیں۔ اگر کسی کردار کو بیان کرتے ہیں تو اس کے لباس اور حرکات و سکنات کا پورا منظر بیان کر دیتے ہیں۔ گو کہ یہ ناول منظر نگاری کی عمدہ مثال بنتا ہے۔ جزئیات نگاری میں کہانی کے کردار یا ماحول کو اس باریک بینی سے بیان کیا جاتا ہے کہ جو پوری کہانی میں حقیقت کا رنگ بھر دیتا ہے اور اس کے ہر احساس کو مزید جان دار کر دیتا ہے۔ صدیق سالک کے

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

ناول میں ہمیں جزئیات نگاری کی بھر مار ملتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ صدیق سالک کے پاس ذخیرہ الفاظ کا انبار ہے، جو وہ ہر موقع محل کے مطابق سامنے لے آتے ہیں۔ وہ اس قدر باریک بینی سے تمام جزئیات کو بیان کرتے ہیں کہ سوچنے سے بھی کوئی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ جیسے وہ اگر گاؤں کے کمرے کے سامان کا ذکر کرتے ہیں تو لکھتے ہیں:

"اس میں ٹوٹی ہوئی چارپائیاں، پرانے لحاف، سردیوں کے لیے لکڑی کا ایندھن اور غلے کے لیے ایک بھڑولہ رکھا تھا۔"(18)

اسی طرح فطرت کے اسلام آباد کے گھر کے سامان کے حوالے سے کبھی میز، کبھی کرسی، کبھی پنکھا، کبھی باورچی خانے کے برتن، کبھی پردے، کبھی بستر کی چادریں، کبھی فالتو تکیے کا ذکر کیا گیا ہے۔ کسی بھی کہانی کے واقعے کو ہم آہنگ اور مربوط کرنے کے لیے جگہ اور سماجی حالات کی تفصیل کہانی کو مزید جامع بنا دیتی ہے اور پڑھنے والے پر گہرا تاثر چھوڑتی ہے۔ جزئیات نگاری دل کشی کو بڑھانے اور قاری کی دل چسپی کا باعث بنتی ہے۔ اس ناول میں مصنف نے موقع محل کو مد نظر رکھتے ہوئے جزئیات نگاری کی ہے۔ اگر وہ گاؤں میں ہوتے ہیں تو گاؤں کے ماحول اور اشیاء کی جزئیات نگاری سے گاؤں ہی کی تصویر سامنے آتی ہے۔ اگر وہ کسی کے جذبوں اور احساسات کو بیان کرتے ہیں تو بے شمار جزئیات کے ساتھ تفصیل سے لکھتے ہیں۔ کسی کے دکھ کو دکھانے کے لیے غم، درد، اندوہ کے بے شمار الفاظ سے اس کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔

صدیق سالک کے ناول پریشر ککر میں جگہ جگہ حقیقی زندگی کی مثالیں ملتی ہیں۔ مصنف نے معاشرتی و معاشی زندگی کے تلخ حقائق کو بھی بہت خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔ اس میں ماحول، معاشرتی مثال ہے اور انسانی نفسیات کی سچی اور تلخ تصویر کشی کی گئی ہے۔ حقیقت کو اس طرح سے آشکار کیا گیا ہے کہ وہ من و عن واقعات کے ساتھ شدت سے سامنے آجاتی ہے۔ جیسا کہ گاؤں والے جو چند ہفتے پہلے ریشماں پر رحم کھا رہے تھے، اب ہزاروں روپے ملتے ہی اس سے حسد کرنے لگے۔ معاشرے میں حسد، کینہ اور بغض کو بیان کیا گیا۔ اسی طرح ریشماں کو تمغہ ملنے پر تعریف میں بجنے والی تالیوں کو اس تلخی سے واضح کیا گیا ہے:

"ریشماں بالکل نہ سمجھ سکی کہ یہ تالیاں کس خوشی میں بجائی جا رہی ہیں، اس کی بیوگی پر یا فطرت کی یتیمی پر؟ تمغہ جو اسے بیوگی اور بچوں کی یتیمی پر ملا تھا، وہ اس کے کسی کام کا نہ تھا۔ وہ تانبے کا تمغہ نہ اس کی بھوک مٹا سکا اور نہ ہی اس کے مصائب کو کم کر سکا۔"(19)

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

معاشرے کے نام نہاد تمغات کی کڑوی حقیقت تب واضح اور مکمل شکل میں سامنے آتی ہے جب ریشماں اس بے کار تمغے کی ڈبی کو گندی نالی میں پھینک دیتی ہے۔ اس سے معاشرے کی اس تلخ حقیقت کو آشکار کیا گیا ہے کہ دنیا چھوڑ کر جانے والوں کو تمغوں کی نہیں بلکہ ان کے خاندان کو کفالت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح معاشرے کی بنیادی قدروں کی بھی حقیقی تصویر کشی کی گئی ہے کہ معاشرے کی بنیادی قدریں درگزر نہیں، انتقام ہیں۔ یہ معاشرہ نہ ڈاکو کو معاف کرتا ہے اور نہ ہی ڈاکو معاشرے کو معاف کرتے ہیں۔ معاشرے میں جینے کے لیے مصالحت کو اہم کردار دیا گیا ہے۔ جو لوگ وقت اور حالات کے ساتھ مصالحت اختیار نہیں کرتے وہ ہمیشہ ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں۔ پٹے ہوئے راستوں پر چلنا آسان ہے اور نئے راستے بنانا دشوار۔ مختلف زمانے کے تھپڑ کھا کر خودکشی کرنے والوں کی مثال بھی دی گئی ہے۔

معاشرے میں اخلاقی قدروں میں پسنے والے طبقے کے حوالے سے بھی کہا گیا ہے کہ اخلاقی اقدار کی گرفت متوسط طبقے پر سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ معاشرے میں فن اور فن کار کی معاشرتی زندگی کی بھی بھرپور عکاسی کی گئی ہے کہ ایک فن کو زندہ رکھنے کے لیے فن کار کس طرح مشکلات کی چکی میں پستا ہے۔ فن کی بدولت روزی روٹی کمانا کس قدر مشکل ہے۔ فن کی دنیا میں افسری نہیں، دنیاوی ٹھاٹھ نہیں، رعب نہیں، دبدبہ نہیں، آرام نہیں، آسائش نہیں۔ فن کی زندگی غم کھانے اور خونِ جگر پینے کی زندگی ہے۔ جنگوں میں بے شمار فوجیوں کی جان جانے کے حوالے سے بھی ذکر ملتا ہے۔ اسی حوالے سے صدیق سالک اپنے ناول "سلیوٹ" میں بھی لکھتے ہیں:

> "میں بنجر اور بارانی علاقے میں پیدا ہوا جہاں صرف فوجی اگتے ہیں دوسری جنگِ عظیم میں اگتے تھے توپوں کا چارہ بننے کے لیے دساور کو بھیجے جاتے تھے۔"(20)

عالمی جنگوں میں فوج میں بھرتی ہونے والوں کی قربانیاں، اور پیچھے رہ جانے والے خاندان میں بیوہ اور یتیم بچوں کی زندگی میں مشکلات اور دردر کی ٹھوکریں کھاتے دکھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ گاؤں کے ظالم چودھری کی مثال بھی ملتی ہے۔ غریب مزارعوں کی حقیقت بھی بیان کی گئی ہے۔ کسی بھی شریف النفس آدمی کے لیے اس معاشرے میں عزت بچا کر، زمانے کی الزام تراشیوں اور طعنوں سے بچ کر زندہ رہنا بہت دشوار ہو گیا ہے۔ ہمارا معاشرہ تلخ حقائق سے بھرا پڑا ہے اور اس کی مثال اس ناول میں واضح ملتی ہے۔ جیسا کہ کرم دین کسی لڑکی کی عزت بچانے کے لیے جان دیتا ہے اور اس کی بیٹی کو اغوا کے وقت سب خاموش تماشائی بن جاتے ہیں۔ انسانی قدریں اتنی بدل گئی ہیں کہ اس ناول میں تلخ حقائق پر سوال بھی اٹھائے گئے ہیں جو معاشرے کا ناسور بن چکے ہیں۔ ناول میں زندگی کے بہت سے موضوعات کو مختلف پہلوؤں سے بیان کیا گیا ہے، خاص طور پر ناول کا موضوع ایک منفرد اور جامع نام لیے ہوئے ہے۔ ناول کی کہانی اپنے موضوع کے لحاظ سے مکمل عکاسی کرتی ہے۔ جس طرح پریشر ککر اپنے اندر تمام گیس بھر کر ایک دن پھٹ جاتا ہے، اسی طرح انسان کی زندگی ہے۔ وہ اپنے اندر

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

غم، دکھوں اور مصیبتوں کے انبار بھر کر ایک نہ ایک دن پریشر ککر کی طرح اپنے اندر کے پریشر کو کنٹرول نہیں کر پاتا اور پھٹ جاتا ہے۔ مصنف اس کا ذکر یوں کرتے ہیں:

"اسی پریشر ککر کی آنچ میں جلتا رہوں، گلتا رہوں، سڑتا رہوں۔"(21)

آخر میں عالم دیوانگی کی کیفیت میں اپنے غموں سے نجات حاصل کرنے پر مصنف اُسے اپنے پریشر ککر سے آزاد ہونا قرار دیتے ہیں۔ ناول میں عورتوں کے تصور اور اس کے خیالات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس میں ریشماں جیسی مظلوم اور نڈر عورت بھی دکھائی گئی ہے اور مسز نادرہ جیسی مفاد پرست عورتیں بھی ہیں۔ نسرین جیسی مغرور اور زبیدہ جیسی مادیت پسند عورتیں بھی موجود ہیں۔ مصنف سنگِ مرمر کے مقبرے کے نیچے دفن نور جہاں کی حسرتوں، محرومیوں، مجبوری، دکھوں اور اندوہ کا بھی ذکر کرتا ہے۔ مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ ان پڑھ عورت بھی اپنے بچوں کی اچھی تربیت کر سکتی ہے اور تعلیم دلا کر بڑا انسان بنا سکتی ہے۔ عورت کا جذبہ ہی اس کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اور مرد و عورت کے دنیاوی تقابل کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

"میرے خیال میں فائن آرٹس ہی نہیں، کسی بھی تخلیقی عمل کو مردانہ اور زنانہ حصوں میں بانٹ کر ان کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیے۔"(22)

یعنی مصنف کے مطابق عورت اور مرد کی ذات سے نکل کر مجموعی طور پر ہر چیز کا موازنہ ہونا چاہیے۔ ناول میں مختلف کلچر، تہوار اور رہن سہن کی عکاسی بھی ملتی ہے۔ گاؤں کی روایات میں "چپ شاہ" کے مزار پر منت مانگنے اور بکرا اور جھنڈا چڑھانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف تہواروں کا ذکر بھی ملتا ہے، جیسے گیارہویں شریف کا ختم، میلاد کی محفل یا شبِ برات کی شیرنی۔ اس کے علاوہ مصنف ڈراؤنے خواب اور جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنے کا منظر بھی دکھاتے ہیں۔ جیسے کہا گیا ہے کہ ریشماں لیٹے لیٹے جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھتی ہے اور فطرت کو ڈراؤنے خواب آتے ہیں:

"پچھلی تین راتوں سے مجھے متواتر ڈراؤنے خواب نظر آ رہے ہیں۔ خونی خون، زمین پر پڑی ہوئی لاشیں، خون آلودہ لاشیں۔"(23)

فطرت کے ذہن پر جو سوچیں غالب آئی ہوئی تھیں وہ اسے خواب کی صورت میں دکھائی دے رہی تھیں۔ مصنف اپنے ناول میں محبت کی اہمیت کو بھی بیان کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں محبت کا جذبہ مادی وسائل پر غالب آ جاتا ہے اور مشکلات میں زندہ رہنے کے لیے محبت سے ہی حوصلہ اور ہمت ملتی ہے۔ زندگی کی کشتی کو ڈوبنے سے بچانے میں سب سے اہم کردار محبت کا ہے۔ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

”محبت ہی انسانی زندگی کے انجن کو پاور مہیا کرتی ہے، محبت ہی ہے جو انسان کو جینے کا حوصلہ دیتی ہے۔“(24)

یعنی محبت وہ جذبہ ہے جو کسی بھی شخص کی آخری اُمید ہو سکتا ہے۔ اندھیروں میں ڈوبنے والے کے لیے محبت روشنی کا چراغ ہے۔ محبت کے ساتھ ساتھ حسرت و دکھ کا بھی گہرا جذبہ دیکھنے کو ملتا ہے، جس کا ذکر ریشماں اور فطرت اپنی بہن ذکیہ کو یاد کر کے کرتے ہیں:

”آج تمہاری بہن زندہ ہوتی تو یہ خبر سن کر کتنی خوش ہوتی۔“(25)

ناول میں مصنف کرداروں کے مکالموں کے ذریعے اپنی گہری فلسفیانہ سوچ کو بھی شامل کرتے ہیں جو کہ زندگی کے حقائق اور انسانی تجربات کو بیان کرتی ہے، جو قاری کو سوچنے اور غور و فکر کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ انسانی دکھ درد کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں کہ انسان کے اپنے اندر انگارے اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ وہ خارجی انگاروں کا محتاج نہیں رہتا۔ انسان کس قدر اذیت اور دکھوں کا شکار ہوتا ہے، اس کے اندر کتنے الاؤ جل رہے ہوتے ہیں، یہ بظاہر دیکھ کر کوئی نہیں جان سکتا۔ اسی طرح مصنف معاشرے کی حقیقت کو فلسفیانہ طریقے سے آشکار کرتے ہیں:

”کیا سبز پتوں والے درختوں کا تنا کھوکھلا نہیں ہو سکتا؟“(26)

بظاہر خوش باش نظر آنے والا انسان اندر سے کس قدر اذیت میں مبتلا ہوتا ہے یہ کوئی نہیں جان سکتا۔ ایک دھوپ زندگی آمیز اور رجائیت کی آئینہ دار ہوتی ہے اور دوسری دمِ فراق کی یاسیت کا پتہ دیتی ہے۔ اس میں زندگی کی دھوپ مراد لی گئی ہے یعنی وہ نشیب و فراز جو کبھی زندگی سے بھرپور ہوتے ہیں یا کبھی سب کچھ چھین لینے کا سبب بنتے ہیں۔ اسی طرح مصنف انسانی شخصیات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انسانی شخصیت کے کئی رنگ ہوتے ہیں، یعنی ہر انسان کئی طرح کی شخصیات کا مالک ہوتا ہے جو مختلف اوقات اور مواقع میں کھل کر سامنے آتی ہیں۔ اپنی پوری زندگی میں کسی ایک انسان کے بارے میں بھی پورے وثوق سے حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ آپ اسے اندر سے تو مکمل طور پر کبھی نہیں جان سکتے، یہاں تک کہ وہ انسان بھی خود کو مکمل نہیں جان سکتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی رائے بدلتی رہتی ہے۔ اسی طرح مصنف نے سچائی کا فلسفہ یوں بیان کیا ہے کہ سچائی کا ادراک صرف وجدانی کیفیت میں ممکن ہے۔ ہمیں ناول میں زندگی کے بے شمار موضوعات پر فلسفہ ملتا ہے۔ مصنف نے اپنے ناول میں دیہاتی زندگی کی بہت خوب صورتی سے ترجمانی کی ہے۔ دیہات کے رسم و رواج، تہذیب و رہن سہن کے ساتھ ساتھ دیہاتی لوگوں کی سوچ، اُمید اور خوابوں کی بھی عکاسی کی ہے۔ دیہاتی کرداروں کو بھی کھول کر بیان کیا ہے۔ دیہات کا جو ایک خوب صورت اور حسین تصور ہے، وہاں کی کھلی فضاؤں اور جنت نظیر وادی کا گماں ہونا، مصنف ان سب کی تردید کر

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

کے حقیقت سے آشکار کرتے ہیں کہ جہاں کوئلیں کوکتی تھیں نہ سنہری فصلیں لہلہاتی تھیں بلکہ وہاں بھوک تھی، جہالت تھی، طعنوں کے بچھو تھے، بے بنیاد الزامات کے لمبے لمبے سانپ تھے۔

مصنف کے مطابق دیہاتوں کے لوگ کانوں کے کچے ہوتے ہیں، سنی سنائی باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ پس ماندہ علاقے کے کم تعلیم یافتہ اور بھوک وافلاس کا شکار رہتے ہیں۔ وہ خوش حالی اور خوشی کو ترستے ہیں۔ وہ ہر شہر سے آنے والے کے ساتھ اُمیدیں باندھ لیتے ہیں کہ وہ ان کے حالات بدلے گا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر شاہین مفتی لکھتے ہیں:

> "سالک گاؤں کی زندگی سے بہت مانوس ہے اُسے وہاں کی روایت و اقدار 'مسرت و الام' نقصانات وفوائد' وضع قطع' زبان وبیان' تراش خراش' جہالت' توہم پرستی' توکل' برداشت۔ الغرض ہر بات سے کماحقہ واقفیت حاصل ہے۔"(27)

دیہاتی لوگ بڑے بڑے خواب دیکھ کر زندگی گزار دیتے ہیں کہ کوئی مسیحا آئے گا اور ان کی زندگی بدل دے گا۔ وہ بھوک وافلاس کے چکر سے نکل کر خوش حال ہو جائیں گے۔ وہ بھی شہری ترقی جیسی ترقی دیکھ سکیں گے۔ لیکن وہ ساری زندگی گاؤں کے چودھری کے مزارعے بن کر تعلیم سے محروم رہتے ہیں۔ ان کے خیال میں تعلیم صرف افسری کا نام ہے، جس تعلیم سے افسری نہ ملے وہ بے کار ہے۔ گاؤں کی لڑکیاں بھی شہروں میں آنے کے حسین خواب دیکھتی ہیں۔ افسری، کوٹھی اور کار ہی ان کے لیے زندگی کی اصل کامیابی ہے۔ انسان کی ذہنی صلاحیتوں اور احساسات و جذبات کی عکاسی کی گئی ہے۔ انسان کے ظاہر اور باطن کی جنگ کو بیان کیا گیا ہے۔ گاؤں اور شہر کی تہذیب و ثقافت اور معاشرتی روایات کو خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ان گنت تجربات، واقعات، فلسفہ اور آرٹ کو ایک مخصوص شکل دے کر ناول میں شامل کیا گیا ہے۔ کہیں ہمیں واقعات روداد کی صورت میں ملتے ہیں اور کہیں ناول میں کسی واقعے کو پورے سفر نامے کی شکل دی گئی ہے۔ زندگی کی تلخیاں حقیقت میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ناول کی کہانی پر مصنف کی شروع سے لے کر آخر تک ایک مضبوط گرفت نظر آتی ہے۔ واقعات میں ایک منطقی ربط پایا جاتا ہے۔ ناول میں ہر واقعے کے ساتھ ہر کردار کی ذاتی زندگی کی مختصر و جامع کہانی ایک مختلف اور مکمل تاثر دیتی ہے۔

فنی طور پر جائزہ لیا جائے تو جو جزئیات نگاری کی گئی ہے وہ گہرا تاثر رکھتی ہے۔ مختلف آرٹسٹوں اور ان کے بہترین آرٹ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مغربی نقادوں اور ان کی کتابوں کا جابجا ذکر ملتا ہے۔ اس میں معاشرتی، معاشی، سماجی، تہذیبی، مذہبی اور سیاسی تمام مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ کہیں پر بھی مغربی تہذیب کو حاوی نہیں کیا گیا، بلکہ وطنی اقدار کو بیان کیا گیا ہے اور اسلامی نظریہ و آئیڈیالوجی کی حمایت کی گئی ہے۔ مصوری کے علم کو واضح کیا گیا ہے۔ آرٹ کی تکنیک کو خوب صورتی کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ دنیا کے بہترین آرٹ اور آرٹسٹوں کا ذکر

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

ملتا ہے۔ آرٹسٹ کی سوچ، اس کے تخیل اور دل کی ہلچل کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کوئی بھی آرٹسٹ اپنے جذبات واحساسات کی عکاسی اگر نہ کر پائے تو وہ کس قدر بے جان اور غیر مطمئن رہتا ہے۔ اس کے اندر کا الاؤ اسے جلانے لگتا ہے۔ اندر کی آگ کا اظہار چاہے تحریر سے ہو، شعر سے ہو یا کسی فن پارے اور آرٹ کے نمونے کے طور پر وہ آرٹسٹ کی ذہنی بقا کے لیے بہت ضروری ہوتا ہے۔

ناول میں آرٹ کے متعلق جتنے بھی علم کا اظہار کیا گیا ہے، مصنف نے باقاعدہ یونیورسٹی کے لمبے لمبے تکنیکی لیکچر دیے ہیں۔ آرٹ کے لیے ضروری اشیاء کا ذکر کیا ہے۔ آرٹ کے نقادوں کے مطابق یہ آرٹ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سے یہ تو ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کو آرٹ میں دل چسپی ہے اور اس نے اس سے متعلق کافی کتابیں جانچی ہوئی ہیں، لیکن اتنی معلومات کسی بھی آرٹ کے شعبے کو تفصیل سے بیان کرنے کے لیے ناکافی ہے۔ مجموعی طور پر اس سے صرف ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ مغربی نقادوں کی کتابیں اور ان کے مشہور آرٹ کے فن پاروں سے متعلق آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

ناول کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو یہ سوانحی رنگ لیے ہوئے ہے۔ اس کی کہانی ایک ہی کردار کے گرد گھومتی ہے۔ فطرت کا کردار حقیقی کرداروں سے لیا گیا ہے۔ یہ کردار ایک ممتاز مصور غلام رسول کی زندگی کی کہانی ہے۔ فطری اور سادہ اندازِ بیان میں اس کردار سے واضح مماثلت ملتی ہے۔ ناول میں داستان گوئی کا انداز بھی ملتا ہے، جس کے ذریعے فطرت کی زندگی کا ابتدائی حصہ خود صدیق سالک کی زندگی کی کہانی معلوم ہوتا ہے۔ غربت، یتیمی، گاؤں کی زندگی، زمین سے لگاؤ، تین سال کی عمر میں یتیم ہونا، تعلیم کے لیے جدوجہد کرنا، فوجی بننے کی خواہش کا اظہار، ایک فوجی کی زندگی کا عنصر، خاندان میں شادی، مختلف ملازمتیں کرنا یہ تمام عناصر صدیق سالک کی زندگی سے لیے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ بذاتِ خود فطرت کی صورت میں ان کی اپنی کہانی ہے، جب کہ اس کے بعد کہانی آرٹ کی دنیا میں داخلہ، فیصل آباد سے لاہور تعلیم کے لیے جانا، پھر امریکہ کا سفر، وہاں ڈاکٹر برڈ سے ملاقات، ادارہ ثقافت پاکستان میں ملازمت کرنا، وہاں کے افسروں سے ان بن ہونا، غیر ملکیوں کا پاکستان دورہ یہ سب مصور غلام رسول کی زندگی کی کہانی ہے۔ مجموعی طور پر فطرت کے کردار کا جائزہ لیا جائے تو وہ ایک غیر روایتی سوچ رکھنے والا، اشتراکی خیالات کا مالک ہے، جس پر کبھی سرخہ ہونے کا الزام لگتا ہے۔ وہ اپنی مصوری میں تلخ حقیقت کی عکاسی کرتا ہے جس میں معاشی و معاشرتی خوش حالی کی بجائے غریبی کو بیان کرتا ہے۔ جس کی بنا پر اسے امریکی ایجنٹ، غدار اور اشتراکی کہا جاتا ہے۔ سوشلزم کے حوالے سے صدیق سالک لکھتے ہیں:

> ”تم نہیں جانتے سوشلزم بڑی لیچڑ بیماری ہوتی ہے بالکل جونک کی طرح جب تک چمٹی رہتی ہے نہ
> زخم نظر آتا ہے اور نہ خون، لیکن ہر شے نچوڑ لیتی ہے۔“(28)

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

فطرت کی زندگی کے لیے "پریشر ککر" کو ایک علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، یعنی خارجی نہیں داخلی زندگی میں سہتے رہو، سلگتے رہو، بولو مت، کہو مت۔ بظاہر تو فطرت کا کردار نڈر اور دلیر ہے، وہ حب الوطنی کے جذبے سے بھی سرشار ہے، جس کی مثال امریکہ میں ایک ہندوستانی لڑکے سے گفتگو اور مس گریس سے مکالموں میں بھی ملتی ہے۔ وہ ایک سچا اور ایمان دار شخص ہونے کے باوجود اپنی اندر کی بے بسی کو کبھی کم نہیں کر سکا۔ اس کے دکھ یتیمی اور غربت سے شروع ہوتے ہیں۔ سکول میں لڑائی میں بھی صبر، بہن کے اغوا پر ضبط اور ساری زندگی پسند کی تصویریں نہ بنا پانے کا قرب، مسز نادرہ کے لگائے گئے الزام، ٹی ہاؤس کے دوستوں کی بے ہودہ کردار کشی اور دو محبتوں کا بے عزتی کی صورت انجام یہ تمام چیزیں فطرت کو اندر سے اس قدر غم، دکھ اور تکلیف کا انبار دیتی ہیں جس میں اضافہ اس کی دفتری اور گھریلو زندگی میں بھی سکون کی کمی کا باعث بنتا ہے۔ اس کی بیوی سے بھی مکمل ذہنی ہم آہنگی کا فقدان رہتا ہے۔ افسر بالا کے ساتھ ان کے احکامات کو رد کرنے کی وجہ سے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں، جس سے اس کے اندر کی گھٹن میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کے حب الوطنی کے جذبے پر بھی شک کیا جاتا ہے۔ غداری کا الزام اس کی شخصیت کو تباہ کرنے کے لیے کافی تھا، جس سے وہ اپنی ذہنی حالت کھو دیتا ہے اور نیم پاگل ہو کر جنگلوں کی طرف نکل جاتا ہے۔ اس کیفیت کو صدیق سالک "ہمہ یاراں دوزخ" میں یوں بیان کرتے ہیں:

"میں تنہا بھٹکنے کے لیے رہ گیا بھٹکنا کھنڈروں کے ویرانوں میں ہو یا محل کی پیچیدہ غلام گردشوں میں۔۔۔ میں اب بھی پریشان ہوں اب بھی بھٹک رہا ہوں۔"(29)

اس ناول میں مصنف منفی اقدار کی نشان دہی کرتا ہے کہ اس معاشرے میں غربت میں جینا اور ایمان داری کو قائم رکھنا کتنا مشکل ہے۔ خیر و شر کی اس جنگ میں شر کو کامیاب دکھایا گیا ہے۔ فطرت کو آخر میں اگر کامیاب دکھا دیا جاتا تو شاید وہ تاثر نہ ملتا جو اسے ناکام دکھا کر دیا گیا ہے۔ مصنف نے ہر صورت اور ہر واقعے کے آخر میں کرب ناک صورت حال پیدا کی ہے، جو قاری کے ذہن کو جھنجھوڑ کر رکھتی ہے۔ اس کا اختتام نہیں ہوتا: ذکیہ کا اغوا ہو کر نہ ملنا، کرم دین کا زندہ نہ بچنا اور آخر میں فطرت کا نیم پاگل ہو کر جنگل میں گم ہو جانا یہ سب ایک سوال چھوڑتے ہیں، المیہ بن کر قاری کے ذہن پر نقش ہو جاتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ صدیق سالک، ایمر جنسی، لاہور: آر آر پرنٹرز، اگست 2017ء، ص:5

2۔ شاہین مفتی، ڈاکٹر، پریشر ککر ایک جائزہ، مشمولہ: فنون، لاہور: شمارہ، ستمبر-اکتوبر 1984ء، ص:108

3۔ صدیق سالک، پریشر ککر، لاہور: میاں سنز، جنوری 2022ء، ص:5

4۔ ایضاً، ص:231

5۔ ایضاً، ص:281

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

6۔ ایضاً، ص:5،26،216،22
7۔ ایضاً، ص:6
8۔ ایضاً، ص:8
9۔ ایضاً، ص:259
10۔ ایضاً، ص:57
11۔ صائمہ علی،ڈاکٹر،صدیق سالک شخصیت اور فن،لاہور:حاجی منیر اینڈ سنز،2019ء، ص:209
12۔ صدیق سالک، پریشر کُکر، ص:12
13۔ ایضاً، ص:40
14۔ ایضاً، ص:256
15۔ Parekh Rauf "Literary Notes: Siddiq salik: a humorist in uniform on martial law and other medicines",published in Dawn.August 17th,2015:06:25am
16۔ صدیق سالک، پریشر کُکر، ص:143
17۔ ایضاً، ص:184
18۔ ایضاً، ص:11
19۔ ایضاً، ص:19
20۔ صدیق سالک،سلیوٹ،لاہور: محبوب پرنٹرز،اکتوبر 2017ء، ص:8
21۔ صدیق سالک، پریشر کُکر، ص:198
22۔ ایضاً، ص:87
23۔ ایضاً، ص:78
24۔ ایضاً، ص:188
25۔ ایضاً، ص:125
26۔ ایضاً، ص:9
27۔ شاہین مفتی،ڈاکٹر، ایمر جنسی، مشمولہ:فنون،لاہور:شمارہ،نومبر-دسمبر 1986ء، ص:264
28۔ صدیق سالک، تادم تحریر،لاہور:زاہد بشیر پرنٹرز،اگست 2006ء، ص:69
29۔ صدیق سالک، ہمہ یاراں دوزخ،لاہور: مکتبہ اُردو ڈائجسٹ، اگست 1974ء، ص:299